

سید صاحب کو جب سے عامر نے عیسیٰ کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ نوشی کرنے لگا ہے سید صاحب بہت پریشان تھے۔ وہ فیروزہ بیگم کو واپس پاکستان بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔

ورلی جلدی سے پیپر ختم کر کے سہراب کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہے۔ آتش چند روز کے لیے اسلام آباد جاتا ہے۔ جا قان دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہے تول کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ فون کر لے وہ فون کرنی دوسری طرف فون اٹھالیا جاتا ہے۔ وہ جواب نہیں دے پانی۔ دوبارہ نمبر ملائی اس وقت کوئی اسے آواز دیتا ہے۔

شریف سہراب کی دعوت کرتی ہیں اور بظاہر اسے گھیر لیتی ہیں، وہ دلی ہی دل میں ان کے بے وقوف بن جانے پر ہنستا ہے۔ قاروق احمد، امیر علی خان سے کہتا ہے کہ علائہ خان کے قتل کے تانے بانے آتش کدہ سے ملتے ہیں۔

عامر، عیسیٰ سے پوچھتا ہے کہ اس نے اس کا کام کر دیا عیسیٰ کے منع کرنے پر وہ اسے ڈانٹتا ہے۔ فیروزہ عامر کو سخت ست کہتی ہیں اور عیسیٰ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ عیسیٰ واپس آتا ہے تو ڈالہاں سے اس کا جرس غائب ہوتا ہے۔

بی ڈی اپنا پروموشنل ٹریپ کر کے واپس آتی ہے تو اس کے دوست پارٹی رکھتے ہیں پارٹی میں اس کو ایک فون آتا ہے۔ وہ علائہ خان قتل کیس کے سلسلے میں بی ڈی سے بات کرنا چاہتا ہے۔ بی ڈی خوف زدہ ہو کر لائن کاٹ دیتی ہے۔

شا کر کی بیوی فرح عیسیٰ اور عامر کی بحث کو بڑھا چڑھا کر جھگڑے کی شکل میں شوہر تک پہنچا کر کہتی ہے کہ ہمیں ایسے بچوں کو اس ماحول سے بچا کر الگ ہونا ہوگا۔ وہ اپنے بہنوئی سے کینیڈا یا امریکا جانے کے سلسلے میں

آمنت العزیز شہزاد

کاکھصر

ورلی اپنی نانی اور ماموں کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ماں مرجلی ہے۔ گھر میں دو ماموں، ممانی اور ان کے بچے ہیں۔ ان میں آپس میں اچھے تعلقات ہیں مگر بڑی ممانی اسے پسند نہیں کرتی ہیں۔ عبادان کا بیٹا ہے۔ جو ورلی کو چاہتا ہے۔

آتش جو سراپا اسرار ہے، وہ لوگوں کو اپنی گفتگو سے زیر کرتا ہے۔ اس کے بے شمار عقیدت مند ہیں۔ بی ڈی ایک بے ہوش لڑکی کو لے کر آتش کے ہاں پہنچ جاتی ہے۔ آتش اپنے اسٹنٹ خاقان کے ذریعے ڈاکٹر کو بلاتا ہے۔ نانی ورلی کو بڑھانے کی ذمہ داری عباد پر ڈال دیتی ہیں۔

لڑکی ہوش میں آتی ہے لیکن حواسوں میں نہیں۔ اپنا نام تک نہیں بتا سکتی۔ آتش کے گھر پولیس آ جاتی ہے۔ پولیس کا نام سن کر بی ڈی گھبرا جاتی ہے۔ آتش اسے پرسکون رہنے کا کہتا ہے۔ پولیس انسپکٹر اسپر علی اپنے جونیئر قاروق احمد کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ آتش کو تربیتی ورکشاپ میں مدعو کرتا ہے۔ قاروق احمد تھوڑا ج ہے۔ عباد، ورلی کو بڑھاتے ہیں شریفہ کو یہ پسند نہیں عباد کے دوست سر عیسیٰ ورلی کو بڑھانے آتے ہیں، ورلی بتاتی ہے کہ وہ کیا سن اسحاق دے رہی ہے، اور اسے ہر بجیکٹ انتہائی مشکل لگتا ہے۔

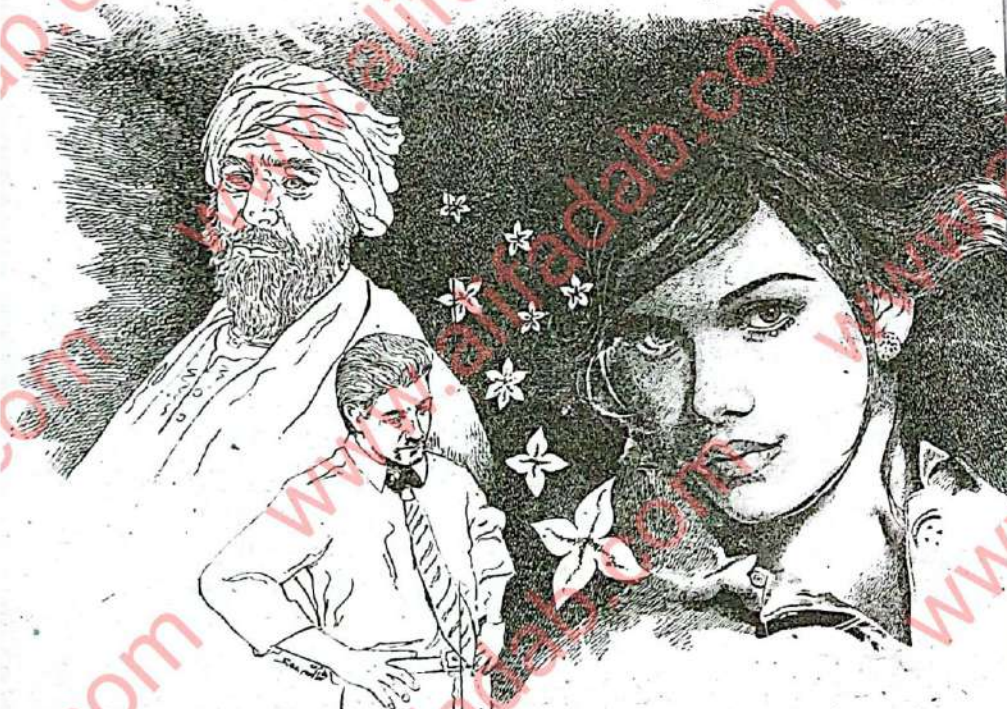
فیروزہ کی بیٹی شوتا کی شادی ہوئی ہے، اس میں بالی کا بھی نکاح کر دیا جاتا ہے، بالی انتہائی کم عمر ہے۔ شا کر فیروزہ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے حکم پر گھر تعمیر کروا رہے ہیں۔ ان کے والد بھگت دیش میں کاروبار کے سلسلے میں رہتے ہیں۔

فیروزہ کا چھوٹا بیٹا عامر بہت خود ہے۔ وہ عیسیٰ سے بہت جڑتا ہے۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا ہے۔ انکار پر عیسیٰ کو بالکونی سے الٹا لٹکا دیتا ہے۔

ورلی کو سہراب سے ملنے کی خوشی اور گھبراہٹ ہوتی ہے عیسیٰ سمجھتا ہے کہ وہ انتخابات کی وجہ سے پریشان ہے۔

بی ڈی کو آتش فون کر کے اطلاع دیتا ہے کہ وہ ٹی وی آن کر کے دیکھے علائہ سے متعلق خبر آرہی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ علائہ کی لاش اس کے قلیٹ سے برآمد ہوئی ہے۔

ورلی پیپر دے خوب تیار ہو کر جاتی ہے، اسے مفتاح چھوڑنے جاتا ہے، والدہ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ریتا عامر سے کہتی ہے کہ عیسیٰ سے کہو کہ ایڈیشن ٹیٹ میں اس کے بھائی کو پاس کر دے۔



”بس بہت ہوا۔“ سب کی سننے سننے اچانک ہی وہ ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کرواتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

”میں مار دوں گی۔ مار دوں گی اسے۔“
 ”ہاں..... اور خود جیل چلی جاؤں گی۔ بے حسہ! (بے عقل)۔“
 صاعقہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا تو وہ روٹا کی ہوئی۔

”تب تو ہی بتا کہ میں کیا کروں؟“
 ”کچھ ایسا کہ وہ راستے سے ہٹ جائے۔“ صاعقہ کی بلی جیسی آنکھوں میں سفاک سی چمک ابھری۔ اس جیسی حسین پیپے والی خوشبو میں بس عورت کو بھینسی نے گھر سے نکل جانے کا کہہ کر بل بھر میں دو کوڑی کا کر دیا تھا۔ پھر وہ کیوں نہ بڑھ چڑھ کر اسے سبق سکھانے کے مشورے دیتی۔ ”کیوں..... کیا میں کچھ غلط کر رہی ہوں خود سے؟“

”ہاں..... ہاں؟“ سوچی چرخ مگر سرخ جلد والی، جھری زدہ پونوں اور نیلی آنکھوں میں بھر بھر کر سرمہ ڈالے بیٹھی مورے نے جھٹ اپنا ہندی سے تاریکی ہوئے بالوں والا سر ہلا کر تائید کیا۔
 ”بالکل.....“ رینا اپنے تئیں خود کو مظلوم ترین سمجھ کر آنکھ میں آنسو بھر لائی اور بھرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔

”عقل ہی سے تو کام نہیں لیا میں نے عامر کی محبت میں بے وقوفیاں کرتی رہی مگر اب بس..... اور نہیں اب دیکھنا تم سب کہ میں کیا کرتی ہوں۔“

☆☆☆

”ادھر دکھاؤ مجھے۔“ اس نے رضیہ کے ہاتھ سے فون جھپٹ کر نمبر کو بہت غور سے دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر اپنی قمیص کی جیب سے سیل نکالا اور وہ نمبر ڈائل پر ڈالا..... مگر پھر بیز مشن دباتے دباتے اچانک ہی ٹھہر گیا۔
 ”کیا مجھے پہلے سر آتش سے بات کرنی چاہیے؟“ وہ متذبذب سے سوچے گیا۔ تب ہی رضیہ نے بیزار مگر منتہائی آواز میں اسے پکارا۔

”صاحب! میرا فون تو دے دیں۔“

”ہاں..... یہ لو۔“ وہ اس کی آواز پر اپنے خیال سے باہر آیا اور فون اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

”وہ اس نمبر پر کب سے فون کر رہی ہے؟“

”یہی کوئی ڈیڑھ، دو ماہ پہلے سے۔“ اس نے فی الفور تالیق داری سے یوں جواب دیا: ”بیا! اسی کام کے لیے پیدا ہوئی ہے۔“

”وہ دو ماہ سے مسلسل تمہارا فون استعمال کر رہی ہے۔“ بی۔ ڈی کو جیسے یہ فون والی بات کچھ ہضم نہ ہو رہی تھی، خاصے جیسے لہجے میں بولی۔

”اور تم نہیں اب بتا رہی ہو؟“

”ہاں تو.....“ وہ ذرا کی ذرا گڑبڑا کر بولی۔ ”منا بتائے چیکے سے اٹھا کر لے جاتی تھی وہ میرا فون..... وہ تو جب جلدی جلدی پیسے ختم ہونے لگے تب مجھے شک پڑا۔ کیا بتاؤں صاحب! وہ اتنی تیز گئی کہ نمبر بھی مٹا دی تھی۔ وہ تو اتفاق سے ایک روز مجھے پتا چل گیا۔“

”اور یہ اتفاق کتنے دن پہلے ہوا؟“ بی۔ ڈی نے طنزیہ پوچھا تو وہ جلدی سے بولی۔

بات کا کہتی ہے۔

دور ریڈیو سٹوٹ میں سہراب سے ملنے آئی تھی وہ اسے اپنے گھر لے جانے کی بات کرتا ہے۔ دوری ہاں بھر لیتی ہے۔ سہراب بہت خوش ہوتا ہے اسی وقت گاڑی کے سامنے سیلی آ جاتا ہے۔ دوری ڈر جاتی ہے۔ عامر بالی سے مل کر ماں اور عیسیٰ کی شکایت کرتا ہے۔ بالی اپنی کم عمری کی شادی اور عیسیٰ شوہر کی وجہ سے پہلے ہی ناراض تھی۔ دوری بھاکم بھاگ گھر پہنچتی ہے۔ گھر میں سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ خاقان سر آتش سے انجی لڑکی کے فون استعمال کرنے کی شکایت کرتا ہے۔

نمبر نہ فون کرنے پر آتش اسے سخت ستاتا ہے۔

سہراب دوری کے بچے نکلنے پر غصہ ہوتا ہے۔ اسے فکر ہوتی ہے کہ عیسیٰ نے اپنے گھر والوں کو سب بتا دیا ہو۔ دوری رجا سے بات کرتی ہے۔

تیسویں قسط

ابن سلیمان!

”عقل کے بندوں“ نے سیکھا

عشق سے مزہ موڑنا

اور نہ جانا کہ

یہ عشق ہی تو ہے منزل مراد

گو یہ کو پھرتے رہے

ہاتھوں میں لے کر چراغ فہم

اور نہ سمجھا کہ یہ

عشق ہے شل آفتاب

یہ عشق کرتا ہو تو کوئی کیوں کر

بچے ”حسن“ تک

اس سوال کا کوئی

بننا بھی ہے تم سے جواب؟

☆☆☆

”بڑے فخر سے بتا رہی تھی کہ اسے لگام ڈال دی۔ یہ لگام ڈالی ہے؟“

اس وقت عیسیٰ کی تیر کچھ ایسے خطرناک تھے کہ صاعقہ رینا کو خاموش کروا کر چپ چاپ وہاں سے نکل آئی۔ اور اس کے جاتے ساتھ ہی رینا نے سن سن کرتے ہوئے اپنا سامان باندھا اور بچوں کے ہمراہ آریا پارک کے ارادے سے میکے آئی۔ فی الوقت عامر اس سارے واقعے سے لاعلم تھا۔

اس نے بھی فون نہیں کیا ارادہ بھی تھا کہ اس ضمن میں پہلے یہاں سب کی ”ماہراندہ رائے“ لے لی جائے پھر اس کی روشنی میں وہ جو کچھ عامر کو بتانا ہوگا بتا دے گی مگر ہوا کچھ یوں کہ ماہراندہ رائے والے تو رہی ایک طرف سب ہی نے اس کی اس درجہ ”کم زوری“ پر اسے شرمندہ کرنا شروع کر دیا اور صاعقہ تو بیٹا بھگوائے اسے ایسے ایسے جوتے مار رہی تھی کہ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ خود گولی بن کر عیسیٰ کو جا لگے۔

”پرسوں..... پرسوں ہی تو پتا چلانا مجھے آپ کیا کھائیں گی ناشتے میں جو کا دلہ بنا دوں؟“ وہ گڑبڑا کر خوشامدی سی مسکراہٹ کیوں پر سجا کر بات بدلنے کی غرض سے بولی کہ اس نے تو اپنا کام کر دیا تھا آگے جو کچھ بھی کرنا تھا، وہ خاقان ہی نے کرنا تھا۔ اور اس نے کیا کرنا تھا؟

☆☆☆

پیارا مانگا تھا نم دے گئے۔

”فون پر فون کر رہی ہے روز تمہاری وہ لینڈی شریف۔“
ورنی سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے نم دراز کی سوسلجھاری تھی کہ تب ہی اس نے بیڈ پر قیص سے بے نیاز محض شائرس میں ملبوس کسل مندی سے نیم دراز سہراب کو بڑی سستی بھری آواز میں بولتے سنا۔
”سوچ رہا ہوں کسی دن موہے کو اس سے ملوانے لے ہی جاؤں۔“
”لانا ہے تو یہاں لے کر آؤ۔“ وہ حتی الامکان گوشہ عافیت کے ذکر سے گریز کیا کرتی تھی سو اس نام پر اس کے بال سنوارتے ہاتھ یک لمحہ تھمے مگر پھر وہ فوراً ہی خود کو سنبھال کر سنجیدگی سے بولی گی۔
”وہاں لے جا کر کیا کرنا ہے؟“

”وہاں لے جا کر رشتہ دینا ہے نا تمہاری اس بے چاری سی کزن کا، اور کیا کروں گا؟“ وہ بے حسی سے ہنستے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں گویا ہوا جیسے کہ وہ وہاں جا کر آئیں کریم کھانے کی بات کر رہا ہو۔
ورنی کے اعصاب تن گئے۔ مگر پھر فوراً ہی اس کے دل نے کہا کہ نہیں۔ یقیناً اس کے اس جملے کا مفہوم کچھ اور ہے۔ تب ہی وہ برق رفتاری سے اس کی جانب گھوم کر جیسے اپنے اس گمان (خوش گمانی) کی تصدیق کرنے کی غرض سے سوالیہ ہوئی۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“

”وہی جو تم سن رہی ہو۔“ وہ اس کے تاثرات سے حفا اٹھاتے ہوئے بولا۔

”تم صورت لڑکی ہے، وقادار رہے گی۔“

یہ..... یہ کیا کر رہا تھا وہ..... اس کی خوش گمانی پورے قد سے زمین بوس ہوئی تھی۔ سوائے اس قدر طیش آیا کہ اس نے بلا سوچے سمجھے ہاتھ میں موجود کلکڑی کا اچھا خاصا دزلی میجر پریش پوری قوت سے تاک کر اس کی جانب اچھالا۔ نتیجتاً پریش ٹھک سے اس کے ماتھے پر جالگا تھا وہ تکلیف سے دہرا ہوا گیا۔
”ارسوئی..... (کینٹی)۔“ وہ آنکھوں کے سامنے رقصاں چاند، ستارے بلکہ پوری کہکشاں کو بمشکل تمام ایک جانب دھکیل کر سیدھا ہوا۔

”تیری اتنی جرات کہ عورت ہو کر سہراب خان پر ہاتھ اٹھاتی ہے۔“

وہ غصے میں پھرا، گولی کی رفتار کو مات دیے ہوئے اس تک پہنچا اور۔

چھتر، گھونے، لائیں جو می میں آیا، اسے مارا رہا۔ مارا رہا یہ دیکھے بغیر کہ وہ تو اس کی دوسری ہی ٹھوکریں ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

”ہمیں خوشی ہے کہ آپ کی کتاب کو دنیا بھر میں پذیرائی مل رہی ہے۔“

آتش اس وقت اپنے ناشر کے دفتر میں اس کے بالقابل براجمان اس کی بات پوری توجہ اور دھیان سے سن رہا تھا۔ دفتر سے باہر لندن بھگ رہا تھا اور درمیان میں دھری سفید پیالیوں میں موجود بلیک کافی سے خوشبودار

سادھواں اٹھتا تھا۔ اور وہ سرخ سفید، بھاری ہتے اور سبز آنکھوں والا ناشر بہت سرت سے کہہ رہا تھا کہ.....
”اس کے متن پر بات ہو رہی ہے، مکالمے ہو رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ جلد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن مارکیٹ میں لانا پڑ جائے گا۔ تو کیوں نہ ہم آپ کے لوٹنے سے پہلے اس کے معاہدے کے بارے میں بات کر لیں.....؟“

”ہوں.....!“ آتش نے اس کا دہلیز پرے محل سے جانے کے بعد ایک گھمبیر سوچ میں ہنکارا بھرا ہی تھا کہ جب ہی اس کا سامنے ہی میز دھرا فون تھم رہا تھا۔

”ایکس کیوزی۔“ کال خاقان کی تھی اور جسے وہ نظر انداز کر نہیں سکتا تھا۔ تب ہی محترم ناشر سے معذرت کرنے کے بعد اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔
”آداب سر آتش۔“

”ہاں خاقان، کہو کیا بات ہے؟“ آتش نے اپنی تھمہری ہوئی مخصوص آواز میں پوچھا تو دوسری جانب سے دہ بے زبان شروع ہو گیا۔

”ہوں۔“ ساری کھانسنے کے بعد نہ تو آتش گھبرایا اور نہ ہی فکر مند ہوا۔ ہاں مگر بس ذرا سی بے چینی سی محسوس ضرور ہوئی تھی سو وہ ایک غیر معمولی سا سنجیدہ ہنکارا بھرا ہوا بولا۔ ”تو تم نے کال کی اس نمبر پر؟“

”نہیں سر۔“ خاقان مستعدی سے بولا۔ ”میں نے سوچا کہ پہلے آپ سے پوچھ لوں؟“

”جب سب ہی کچھ مجھ سے پوچھتا ہے تب میں نہیں وہاں کیوں پھوڑ کر آیا ہوں؟“

اس بار اس کا لہجہ پریش تھا۔ خاقان شرمندہ ہو گیا۔

”وہ سر آتش بہت معذرت۔“

”فون کرو وہاں.....“ وہ اس کی معذرت خواہی سے صرف نظر کرتے ہوئے حکمانہ لہجے میں بولا۔ ”پھر مجھ سے بات کرو۔ تم جاننے ہو کہ ادھر سے کام آتش کو لیند نہیں۔“ اس نے کہہ کر فون ترت بند کر دیا۔

سامنے دھری کافی سے اب بھاپ اٹھنا بند ہوئی تھی پر باہر لندن ہنوز بھیک رہا تھا۔ تب ہی ناشر نے گلا کھنکھارا۔

”آہم..... آہم۔“

”جی تو آپ کیا بات کر رہے تھے؟“ چوں کہ وہ اس ”کھنکھار“ کا مفہوم بخوبی سمجھ چکا تھا سو اس نے اپنے ذہن کو آتش کدے سے ہٹا کر سامنے مرکوز کرتے ہوئے ایک بار پھر گفتگو کا آغاز کر دیا تھا۔

”وہ میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ کیوں نہ ہم کتاب کے نئے ایڈیشن کا معاہدہ.....“

☆☆☆

دل مرجانے نوں کی ہویا بچتا

یہ سب کیا کر رہا ہے تو یار باز آ جا

ورنی تین دن سے بستر پر پڑی تھی پر وہ اسے کسی بھی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ سوائے طور پر رنخوں کا مرہم اور درد کش ادویات وغیرہ اسے لا کر دے دی گئیں۔ پر یہ سارا اہتمام فقط اس کے جسم کی خاطر تھا کہ ”روح“ کو تو وہ ابھی کچھ اور تڑپانے کا ارادہ رکھتا تھا اور اسی ارادے کی بابت وہ ابھی سرورشاہ کے ڈرائنگ روم میں اس کے سامنے، نشے میں دھت بیٹھا، قہقہے لگاتے ہوئے اسے آگاہ کر رہا تھا۔ پر یہ کچھ ایسا منصوبہ تھا جس پر ہنسا تو درکنار، سرورشاہ مسکرایا تک نہیں بلکہ خاصے بے زار لہجے میں اسے متنبہ کرتا ہوا بولا۔

”تیرا یہ بچا (دو کوڑی کا) منصوبہ خود اپنا بیچ لے جا کر کٹھناڑی پر دے مارنے کے برابر ہے۔ میں تجھے بتا رہا

ہوں بات کھلی اور ضرور کھلی گی۔“

”تو کھل جائے۔“ وہ چوں کہ اس وقت عالم بالا سے بھی اوپر پہنچا ہوا تھا سو سنانج سے بے پرواہ، غڈر لہجہ میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولا۔

”میں کسی کو تو کیا اپنے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔“

”ڈرتے گا تو بے تاجب تجھے پتا ہوگا کہ تیرا باپ اس وقت ہے کہاں؟“ سرور شاہ بے طرح چڑ کر بولا تھا۔ وہ جو بولا تھا اس نے لرزیدہ ہاتھ سے جام لیوں تک لے جاتے سہراب کو ساکت کر دیا۔

”بات کا قطعہ دیتا ہے سارے۔“ دوسرے ہی بل جام کے بجائے سرور شاہ کا گریبان اس کے ہاتھ میں تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوش میں نہیں تھا۔ ہوتا تو اس کے گھر میں کھڑا ہو کر ایسی دلیلی کیوں دکھاتا؟

یہ سرور شاہ بھی سمجھ نہ پاتا تھا تب ہی شور شراب اس کے اندر داخل ہونے والے سحلا زین کو اس نے کسی بھی قسم کی ”مداخلت“ سے روک کر لوہا پس باہر جانے کو کہا اور ایک ہی جھٹکے میں اپنا گریبان سہراب سے چھڑا کر تسخیرانہ لہجہ میں بولا۔

”اتنا بھڑکنے کی کوئی ضرورت نہیں..... ایسی کون سی غلط بات کر دی میں نے؟ کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ اس وقت تیرا باپ دنیا کے کس حصے میں موجود ہے؟ اور کیا پتا کرکھ چکا ہو۔ تو تیرا اس سے ڈرنا یا نہ ڈرنا کوئی مٹی نہیں رکھتا۔ ہاں مگر میں اپنے بابا سائیں سے بہت ڈرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے مکمل چھوٹ ضرور دے رکھی ہے مگر اس تاکید کے ساتھ کہ ”ہاتھ پیر بچا کر۔“

اس نے بے نقطہ بولتے بولتے ایک لمحہ توقف کیا۔
دامیں، بائیں ڈولتا سہراب پتا نہیں اسے سن بھی رہا تھا، یا نہیں مگر بات بے انتہا ضروری تھی اور اسے کرنی ہی تھی سو وہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

”دیکھ..... ابھی ایکشن سر پر ہیں۔ پارٹی انہیں ٹکٹ دے چکی ہے۔ ایسے میں اگر میری وجہ سے کچھ گڑبڑ ہوئی تو وہ واقعی مجھے نہیں چھوڑیں گے اور میرا قصور اس نکتے میں ہے ہی کیا؟ سارے مزے تو تو نے لیے ہیں۔ اس لیے پہلے یہ بکواس بند کر اور توجہ سے میری بات سن۔“

اسے اچانک ہی فضا میں گونجنے اسی نکتے کا دھیان آیا تھا کہ جو صوفے پر پڑے سہراب کے فون سے مسلسل منتشر ہو رہا تھا۔

”جھنپیں جو کہتا ہے کہو یہ بند نہیں ہوگا۔“ وہ جیسے تڑپ کر بولا۔

”اسے بند کر کے ایسا لگتا ہے جیسے میرے چاروں طرف قبر کا سناٹا پھیل گیا ہو۔“

”پاگل کا بچہ.....“ اس کی توجہ پر سرور شاہ بے ساختہ زیر لب بڑبڑایا۔ پر بہت مٹھے سے لہجے میں بولا۔

”میرے جگر بات سن..... تیرا مقصد اسے اذیت دینا ہے نا؟“

”ہاں.....“ اس ذکر پر اس کی پہلے ہی سے گلابی آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں اور وہ سرسراتے لہجے میں بولا تھا۔

”بالکل وہی اذیت جو اس نے اس مردود کا دیا جوڑا پہن کر مجھے دی۔“

”ہاں..... ہاں۔“ سرور شاہ ہنسا۔ ”تو اس کے تو اور بھی کئی طریقے ہیں میرے دوست۔“

”وہ کیا؟“ سہراب چونکا۔

”اب یہ بھی تجھے میں ہی بتاؤں؟“

☆☆☆

”دیکھئے بخاران کا اتر گیا ہے۔ اور اب ان کی کنڈیشن ایسی ہے کہ فی الحال انہیں روم میں شفقت کیا جاسکتا

ہے مگر.....“

بھاری رات گزر چکی تھی اور اب نیا دن نکل آیا تھا۔ اس کی رپورٹس آگئی تھیں۔ ڈاکٹر بھی معائنہ کر کے جا چکی تھی اور اب اس کی معاون سیٹی کے سامنے کھڑی اسے ورثی کی طبیعت کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی۔

”مگر کیا؟“ وہ جو اسے بغور سن رہا تھا اس ”مگر“ کے آگے اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر قدرے الجھن زدہ سے لہجے میں بولا۔

”دیکھئے.....“ وہ کامنی سی ڈاکٹر اپنا گلابی اسکارف میں لپٹا سر، ہاتھ میں موجود تحقیق ٹیسٹ رپورٹس پر جھکائے جھکائے ہی بولی۔ ”رپورٹس کے مطابق ان کے جگر کی حالت کچھ اچھی نہیں اس کی تفصیلی جانچ کے لیے کچھ مخصوص ٹیسٹ لازمی کروانا ہوں گے..... اور یہ جس قدر جلد کروالیں گے جائیں اتنا بہتر ہے۔“

اب کی بار اس نے سر اٹھا کر سیٹی کے بے خواب چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے وہ سارے پرچہ جات اس کی جانب بڑھا دیے تھے۔ جنہیں میکانیکی انداز سے تھاتے ہوئے وہ بولا۔
”فی الحال آپ انہیں روم میں شفقت کروادیں گے..... پھر دیکھتے ہیں۔“

☆☆☆

”امی..... امی کیا ہوا ہے آپ اس طرح کیوں رو رہی ہیں؟“

ایک تو عرصہ یوں بھی عموماً گھریلو معاملات سے لاعلم ہی رہا کرتا تھا پھر ان دنوں تو ایک نئی فرم میں اس کی نئی نئی نوکری لگی تھی۔ سو وہ جو کچھ وقت عارفہ کے ساتھ گزار لیا کرتا تھا اس سے بھی یوں گیا کہ دفتر سے لوٹے لوٹے اسے عشا ہو جاتی تھی۔ گھر پہنچ کر وہ کھانا کھاتا پھر نہادھو کر سو جاتا تھا۔ ابھی بھی وہ بس سونے ہی کی تیاری کر رہا تھا کہ تب ہی دستک دے کر عارفہ کمرے میں چلی آئیں۔ وہ غصے کی محمول کی شکل کو غرض سے آئی ہوں گی مگر.....

وہ آتے ہی بتا کچھ کہ سنے جو روٹا شروع ہوئی ہیں۔ عرصہ بے طرح گھبرا گیا۔ اور اس کا اس درجہ گھبرا جانا بے معنی نہیں تھا کہ عارفہ کا یہ حزان نہ تھا۔

”بتائیں نا امی.....“ وہ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر فکر مندی سے بولا۔

”گھر میں تو سب خیریت ہے نا طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟“

”کچھ بھی ٹھیک نہیں.....“ وہ تسکینی ہوئی بولیں۔ ”سب غلط ہے..... سب غلط۔“

”ہوا کیا ہے؟“ وہ پریشان ہو گیا۔

”میں نے تو سوچا تھا کہ مناسب وقت آنے پر سہولت سے واپس آکر تمہارے لیے مانگ لوں گی مگر دیکھو، وہ مناسب وقت آیا ہی نہیں۔“ ان کے لہجے میں عجب یاسیت آمیز ہوک تھی۔ وہ بری طرح چونک اٹھا۔

”واپس؟ اسے کیا ہوا ہے امی؟“

”بھائی بیگم اسے اس سہراب کے ساتھ رخصت کرنے کی ٹھان چکی ہیں عرصہ۔“ وہ اٹک اٹک سے لہجے میں بولیں۔ ”میں جانتی ہوں کہ وہ بچی دل سے راضی نہیں۔ اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ماں کی مطلق العنانی پر اپنا دل قربان کر دے گی۔ اور دیکھو اس نے یہی کیا۔“

اتنا بتا کر وہ پھر رونے لگی تھیں۔ اور اس بار عرصہ کامی چاہا کہ وہ بھی ان کا ساتھ دے مگر۔

”اے کاش.....“ وہ حیرت زدہ سے لہجے میں بولیں۔ ”میں اماں بیگم کی موجودگی ہی میں تم دونوں کو منسوب کر دیتی۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔“

”آپ خود کو موردِ احترام نہیں امی۔“ عرصہ اسی سے مسکرایا۔

”یہ شاید ایسے ہی ہونا لکھا تھا۔“

”جائے کچھ بھی کہو..... پر تہہ راول تو اجڑ گیا تا میرے بچے۔“

ان کی بات سڑپ رہی تھی کہ یہ ان کا وہ درویش صفت بچہ تھا کہ جس نے ان سے کبھی کوئی فرمائش، کوئی خواہش نہیں کی تھی۔ اور جب اس کے دل نے ایک تمنا کی تو۔

”گوشہ عافیت کے مینوں کے دل شاید بے ہی اجڑنے کے لیے ہیں امی، ایک اور سہی۔“ وہ صرف عارفہ کو مطمئن کرنے کے لیے مسکراتے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اس کوشش نے اس کا غم کچھ ایسے بیان کیا کہ عارفہ کا دل پارہ پارہ ہی تو ہو گیا۔

”عرصہ میرے محل۔“ عارفہ نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالتے ہوئے متا بھری بے قراری سے اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔

وہ مرد تھا ماں کے سامنے کم زور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی آنکھ میں موجود آنسو کو نہ اس کی جھک سے سرکار تھا نہ ہی صدمے سے۔ سو وہ بے اختیار آنکھ سے باہر نکلا اور عارفہ کے کندھے پر جذب ہو گیا۔ اور ہاں اسی رنگ کا ایک آنسو اسی وقت کمرے سے باہر کھڑی، عرصہ کے لیے چائے کے کرائی رجا کی آنکھ سے بھی پٹکا تھا۔

”گوشہ عافیت کے مینوں کے دل شاید بے ہی اجڑنے کے لیے ہیں۔“

اس کا جی چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

☆☆☆

”لوہی کے پتھر میں سارے خاندان کی ناک کٹا دی مگر پھر بھی خود تو نہیں گیا مگر چھوڑ کر۔“

عامر نے کچھ عرصے قبل ہی کنٹرکشن کے کام میں ہاتھ ڈالا تھا۔ فی الحال یہ کام شراکت داری کی بنیاد پر تھا مگر اس کے ”عزائم“ بہت بلند تھے اور وہ ابھی سے خود کو ملک ریاض کے مقام پر دیکھ رہا تھا بہر کیف وہ اس وقت اپنے کاروباری سامگیاں باہر جمانی کے ہم راہ ایک سائیٹ کے دورے پر تھا تب ریتانے اس کے سہل پر خشک آنکھوں سے ہلکے ہلکے روتے ہوئے ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر جانے کی اطلاع دی۔

وہ چوں کہ اس وقت مرکزی شہر سے قدرے قاصیے پر موجود تھا سو فوری طور پر تو نہیں، مگر آیا پہلی فرصت ہی میں تھا..... اور اب اپنے سسرال میں ریتانے کے سامنے بھرمانہ انداز سے سر جھکائے بیٹھا اس کی دہائیاں سن رہا تھا۔

”اور جرات تو دیکھو۔ آج میری بہن کو گھر سے نکال دیا۔“

”بس بہت ہو گیا۔“ ظاہر ہے کہ ریتانک مریج کا بے دریغ استعمال کر کے اسے اس سارے واقعے سے آگاہ کر ہی چکی تھی اور خیر یہ بات ہی کچھ اس نوعیت کی تھی کہ اگر وہ یہ ”تمک“ اور ”مرج“ خارج نہ بھی کرتی تب بھی ”ذائقہ“ اس کا من پسند ہی بننا تھا سو وہ جس سے بری طرح اہل ہوا بولا۔

”بات کرتا ہوں میں اس سے۔“

”کرتی تم نے بات۔“ ریتانکس کر بولی۔ ”اور کچھ لیا اس نے اور جو کچھ بھی وہ خود کو سمجھتا ہے اس کا مظاہرہ تم بہت بار دیکھ ہی چکے ہو۔“

”عاجز آ گیا ہوں میں اس سے۔“ وہ بے زاری آمیز زہر خند سے لہجے میں بولا۔ ”کام پر بھی ذہن گھر ہی میں اٹکا رہتا ہے۔ پانچپن کم بخت سے جان کیسے چھوٹے گی۔“

”چھوٹ جائے گی۔“ وہ بہت مختار مگر معنی خیز سے لہجے میں بولی تو عامر جو ٹکا۔

”وہ کیسے؟“

”یہ بات تو تم مانتے ہو تا کہ وہ گھربا ہمارا اور ہمارے بچوں ہی کا ہے؟“ ریتانے بہت جانچتی، توتلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال پوچھا۔

”ہاں..... ہاں۔“ وہ غصت سے بھرپور لہجے میں زور و شور سے سر ہلاتے ہوئے جوابا بولا۔ ”تو اور پھر کس کا ہے؟“

”بس.....“ ریتانک مکار آنکھیں چکیں۔ ”تو پھر اب نکالنا ہو گا اسے وہاں سے۔“

”ہر حربہ تو آزما کر دیکھ لیا۔“ وہ شکر سے لہجے میں بولا۔

”اب کیا کریں؟“

”مجھ پر بھروسہ ہے تمہیں؟“ وہ چند ثانیے توقف کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ بیٹھی اور بہت دلارے استفسار کیا۔

”خود سے بھی زیادہ۔“ فرط جذبات سے عامر اس کا ہاتھ تھام کر بولا تو اس بار وہ بہت بھرپور فیصلہ کن انداز میں مسکرائی پھر بولی۔

”بس تو پھر تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔“

☆☆☆

”وا..... ملے!“ راجا جو عرصہ اور عارفہ کی گفتگوں کر بہت بو جھل دل اور بھاری قدم لیے اپنے اور وائلہ کے مشترکہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی، وائلہ کی پھٹی پر کھائیٹ کا ڈھیر دیکھ کر متحش انداز میں جتنی زبردست کمراس کے نزدیک آئی اور جیسے لہجے کے ہزاروں حصے میں ہاتھ مار کر اس کی گلابی پھٹی خالی کر دی۔

”یہ کیا کرنے چلی تھیں؟“ اس کا سانس اب بھی قابو میں نہیں تھا چنانچہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولی۔ اور وہ یوں روئی گویا بے بسی جسم ہو گئی ہے۔

”تو تم ہی بتاؤ نا راجا..... میں اور کیا کروں؟“

حقیقت تو یہ تھی کہ شریفہ کے جذباتی وارنے اسے جتنی وجہ باقی طور پر بہت پست کر دیا تھا۔ شریفہ کو انکا روہ اب کر نہیں سکتی تھی اور اقرار کا مطلب سہراب کا ساتھ تھا..... اور یہ نام ہی سن کر کچھ تھا جو اس کے اندر سرخ سی جلا دیتا تھا کچا کہ اس کی رفاقت۔

پر یہ بات شریفہ کو کیسے سمجھائی جاسکتی تھی؟ ظاہر ہے کہ کسی بھی طرح نہیں۔ سوائے سب سے سہل یہی راستہ لگا کہ کچھ کھا کر اپنی ہی جان ختم کر لے۔ تب تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا نا۔

”ماپوس کیوں ہو رہی ہو نکالیں گے نال کر کوئی راستہ۔“ وہ اسے بے ساختہ خود سے لگا کر رو پڑی۔ (اسے کاش..... کاش کہ میری آنکھوں پر رقابت کی پٹی نہ بندھی ہوئی تو اس بے وقوف کے لیے بھی ہم مل کر نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے مگر آہ!)

وائلہ سکتے ہوئے بولی۔

”امی نہیں مانیں گی۔“

”ایک بات پوچھوں؟“ اسے اچانک ہی خیال آیا تھا، سوائے آہستہ سے الگ کرتے ہوئے ملائمت سے پوچھا۔

”پوچھو؟“ وائلہ اپنی دھندلا جانے والی عینک اتار کچھ دپٹے سے صاف کرتے ہوئے سادگی سے بولی تو رجانے ایک بل کو بہت غور سے اس کی جانب دیکھا۔ پھر ذرا جھجکتے ہوئے بولی۔

”تم میرا مطلب ہے کہ کہیں تم کسی اور کو۔“
 ”نہیں..... نہیں ہرگز نہیں۔“ وہ ایسی بھی نادان نہ تھی کہ اس سوال کا مفہوم نہ سمجھ پاتی سو سوال مکمل ہونے سے قبل ہی تڑپ کر بولی۔
 ”میں کسی کو پسند نہیں کرتی..... کوئی نہیں ہے میری زندگی میں۔ بس مجھے سہرا اب اچھا نہیں لگتا کچھ عجیب سی آنکھیں ہیں اس کی۔“

اسے آنکھیں بڑھنا نہیں آتی تھیں۔ اگر وہ اس زبان سے آشنا ہوتی تو اپنے ارد گرد پروانہ وار رقصاں ان دونوں کی تحریر نہ بڑھ جیتی کہ جن کی سطح پر آج اس کی ممکنہ جدائی کے خیال سے سراپا جل چکا تھا۔
 یہ تو اس کی وہ مخصوص نسوانی حس تھی جو سہرا اب جیسوں کو دیکھ کر بیدار ہو جایا کرتی ہے۔
 ”اچھا..... اچھا۔“ رجا کو اپنے استفسار کا تسلی بخش جواب حاصل ہو گیا تھا سو وہ سہرا لگ کر مری سے بولی۔
 ”تمک ہے میں سمجھ گئی دیکھو مجھ سے وعدہ کرو کہ اب تم کوئی حماقت نہیں کرو گی۔ کرتے ہیں کچھ ان شاء اللہ خیر ہو گی۔“ وہ اب بہت سنجیدگی سے کچھ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

آج شانی کے چھوٹے بیٹے کی سال گرہ تھی۔ سب ہی وہاں مدعو تھے۔ ظاہر ہے کہ رینا اور عامر بھی۔
 عیسیٰ تو خیر پہلے ہی کم آ میر تھا اور اب ورینی کے قصبے کے بعد تو خیر معاملہ ہی دیر تھا سو وہاں تو نہیں گیا۔
 مگر اس وقت گھر میں بھی نہیں تھا۔ اگر ہوتا بھی تو ”آنے والوں“ نے اس کے خاطر خواہ انتظام کی بابت بھی لائحہ عمل ترتیب دے رکھا تھا بہر کیف۔

وہ نمن عدد سیاہ ہوئے تھے جو بے آواز چلتے پہلے تو بڑے آرام سے گھر کی دیوار چاند کر اندر داخل ہوئے۔ پھر دھیرے دھیرے چلتے گھر کے اندرونی داخلی دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے پاس موجود چابی سے مقفل دروازہ بڑی سہولت سے کھولا۔ یوں وہ تینوں آگے پیچھے گھر میں داخل ہو گئے۔

”وہ کون سا کمرہ ہے جس میں نہیں جانا؟“ نسبتاً پست قد اور چھوٹی چھوٹی سفاک آنکھوں والے نے ان دونوں کی قیادت کا فریضہ سرانجام دینے والے لختی اپنے ”باس“ سے چاروں جانب نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ڈرائنگ روم کے ساتھ والا چھوٹا کمرہ.....“ باس نے کرخت آواز میں یاد دہانی کروائی اور اس کے ساتھ ہی مذکورہ کمرے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا جو فوراً ہی اسے سامنے دکھائی دے گیا تھا۔
 ”یہ رہا.....“ وہ باس میں ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا حکیمانہ لہجے میں بولا۔

”چلو..... اب جلدی کام پر لگ جاؤ۔“
 اس کے حکم دیتے ہی ماتحت یوں حرکت میں آئے تھے گویا کہ کسی نے ٹپن دبا کر انہیں چالو کر دیا ہو۔
 وہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ سو جلد ہی سارے گھر کو، ادھیز کر رکھ دیا۔ اور اپنے مطلب کا سامان اپنے پاس موجود چابی کیٹوں میں پھرتی سے بھر اور نکلنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔
 مگر تب ہی باس کو کچھ یاد آیا تھا۔

اور اس نے لاؤنج میں رکھا سوئی کائی دی اٹھایا اور باورچی خانے میں لاکر چولہے پر رکھنے کے بعد چولہا جلا دیا۔
 ”اب بھاگو.....“

کام مکمل ہو گیا تھا۔ سو وہ برق رفتاری سے واپس ہو لیے۔ گھر میں اب کوئی ذی روح نہ تھا۔
 ہاں مگر شعلے۔

☆☆☆

”ہیلو..... السلام علیکم۔“
 آتش سے اس کے مخصوص انداز کی ”جھاڑ“ سننے کے بعد، خاقان اپنی ”غلطی“ کے سدھار کے لیے خاصا مستعد ہو گیا تھا۔ تب ہی ادھر آتش نے فون رکھا، ادھر اس نے اپنے فون سے اسی ”مشکوٰۃ نمبر“ پر کال ملائی۔
 جو کسی نے اٹھائی ہی نہیں..... تب دو تین بار مزید کوشش کے بعد وہ لاؤنج میں چلا آیا..... اور ذرا توقف کے بعد لینڈ لائن سے کال ملائی..... اس بار تیسری ہی کھنی پر دوسری جانب سے کسی لڑکی نے فون اٹھالیا تھا.....
 ”وعلیکم السلام.....“ خاقان کی ساری حیات چوک ہو گئی تھی، سو وہ خاصے محتاط سے لہجے میں جواب دیا۔
 پھر پوچھا.....

”آپ..... آپ کون بات کر رہی ہیں؟“
 ”فون آپ نے کیا ہے۔“ دوسری جانب وہ جو کوئی بھی تھی، خاصے کھردرے لہجے میں بولی..... ”آپ بتائیے کہ کون ہیں؟ کس سے بات کر رہی ہیں؟“
 ”دراصل یہ فون خولہ نے کروایا ہے۔“ اس نے اپنے تئیں دوسری جانب دھماکہ کر کے انہیں بوکھلانے کی کوشش کی تھی..... مگر وہ تعجب سے بولی۔

”کون خولہ؟ ہم کی خولہ کو نہیں جانتے..... سو ری رائگ نمبر.....“
 فون بند کر دیا گیا تھا۔ خاقان کا دماغ گھوم گیا..... اور ابھی وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عجب سے بی۔ ڈی کی آواز سنائی دی۔

”کیا ہوا؟ کیا اسی نمبر پر کال کر رہے تھے؟“ ظاہر ہے کہ اس کا ذہن بھی وہیں اٹکا ہوا تھا اسی لیے خاقان کو جو چونکا کان سے لگائے کھڑے دیکھا تو پہلا خیال اسی متعلق آیا تھا۔
 ”جی.....“ وہ اس کی آواز پر چونکا، پھر ریسورسنگ سے واپس رکھتے ہوئے بس اسی قدر بولا۔

”تو کیا رہا؟“ بی۔ ڈی تجسس سے لہجے میں بولی تو وہ اس بار قدرے چڑ کر بولا۔
 ”کچھ بھی نہیں..... وہاں تو کوئی خولہ کو جانتا بھی نہیں ہے۔“

”تج.....“ بی۔ ڈی نے سر جھٹکا۔ ”یہ نام تو میں نے اسے دیا تھا، اسے اپنے بارے میں کچھ یاد ہی کہاں تھا؟“

”تو پھر یہ نمبر کیسے یاد رہ گیا؟“ خاقان پر سوچ سے لہجے میں بڑبڑاہٹ نما آواز میں بولا۔ تو اس بار بی۔ ڈی بھی سوچ میں پڑ گئی.....

”میم.....“ کچھ دیر بعد وہ جیسے سارے تانے بانے جوڑ کر قدرے غصیل سے لہجے میں لب کشا ہوا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہ بظاہر بے چاری بی۔ ڈی کی خاص مقصد کے تحت آتش کو بے میں رہ رہی تھی..... اور وہ مقصد پورا ہونے ہی بپاری کا بہانا بنا کر یہاں سے نکل گئی کہ یوں تو وہ ادھر سے جائیں سکتی تھی۔“

”کیسی بے تکلیف باتیں کر رہے ہو۔“ وہ ماتھے پر ناگواری سے ہل ڈال کر بولی۔ تو خاقان اس بار اپنے موقف پر زور دے رہے ہوئے بولا۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں میں..... مجھے تو لگ رہا ہے وہ اب تک کہیں ہاسٹل سے فرار نہ ہو گئی ہو.....“
 ”اوہ پلیز.....“ بی۔ ڈی اس کے اندازوں سے بے زار ہو کر بولی۔ ”ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے ہاسٹل

میں ایڈمٹ کرواتے وقت میں نے فارم پر اپنا سیل نمبر لکھوایا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ان کی کال آئی تھی کہ اسے روم میں شفٹ کر رہے ہیں۔ میں ابھی وہیں جا رہی ہوں۔“

”نہیں میم۔“ وہ پہلے تو اس اطلاع پر چونکا، پھر فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔

”اب وہاں آپ نہیں۔ بلکہ میں جاؤں گا۔ مجھے اس معاملے کو ہینڈل کرنا ہے۔ یہ سر کا حکم ہے۔“

”حکم ہے تو تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔“ بی۔ ڈی سخت سے لہجے میں بولی۔

”پر میں وہاں ضرور جاؤں گی۔“

☆☆☆

”آئے۔۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔ ہم تو لٹ گئے برباد ہو گئے۔۔۔۔۔ میرا سارا زیور۔۔۔۔۔ پیسہ۔۔۔۔۔ بوٹ۔۔۔۔۔ سب لے گئے کم بخت۔۔۔۔۔“

کریک کا ناچا جاکا تھا اور ابھی بس کھانا لگا ہی تھا کہ عامر کے سیل پر پڑوسیوں نے گھر میں آگ لگنے کی اطلاع دی۔ فائر بریگیڈ کو بھی پڑوسیوں ہی نے طلب کیا تھا۔ خیر یہ گزری۔۔۔۔۔ (اگر اسے خیر کہا جاسکتا تھا تو) کہ آگ بس باورچی خانے ہی تک محدود رہی۔

ہاں مگر سیاہ پلاسٹک کے کیتھ و محوس نے سارا گھر کالا سیاہ کر دیا تھا سوائے عیسیٰ کے کمرے کے۔

کہ نہ صرف اس کا دروازہ، بلکہ کھڑکیاں اور پردے تک بند تھے۔ حتیٰ کہ غسل خانے کی کھڑکی پر بھی چھتی لگی ہوئی تھی۔

بقیہ گھر کا سارا سامان تتر بتر اور دو دیواریں کی مانند اعمال کی مانند سیاہ تھے۔

پولیس پڑوسیوں سے بیان لے کر اب ان کی طرف آ رہی تھی۔ انہیں نزدیک آنا دیکھ کر ریٹائرڈ وٹور سے شروع ہوئی۔

”ڈاکو تھے تو پورے گھر میں ڈاکو ڈالتے تھے، اس کا کمرہ کیوں چھوڑ دیا۔“

”ہاں۔۔۔۔۔“ غصے کی لہر رنگ نگہوں سے ریٹائرڈ کو کھکھڑائی میں سے بولا۔

”کیوں کہ میں نے ہی تو انہیں بھیجا تھا۔۔۔۔۔ وہ مطلوب ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ دل ہی دل میں ریٹائرڈ کو بہت لطف آیا۔“

”کیا آپ بھی سال گرہ کی تقریب میں موجود تھے؟“ سرخ رنگت اور بھوری آنکھوں والے لیے تڑنگے انسپکٹر نے عیسیٰ کی بات پر قدرے چونک کر بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے معمول کا سوال پوچھا تھا۔ جواب ماتھے پر ہلنے والے کھڑے عامر نے دیا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ یہ نہیں تھا وہاں۔“

”تب پھر آپ کہاں تھے اس وقت۔“ بیان لکھنے والا عیسیٰ سے سوال کر رہا تھا، جو کہ اس کی جماعتوں نے نہیں سنا یا۔ شاید سن لیا پر کچھ نہیں پایا کہ سمجھنے کے لیے ذہن کا حاضر ہونا ناگزیر ہے جب کہ اس کا ذہن تو، عامر کے کمرے کے کھمرے سامان کے درمیان پڑے اس جڑل میں الجھ کر رہ گیا تھا کہ جو اس نے نوین جماعت میں بڑی محنت سے بنایا تھا اور جو ایک ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔

اور یہ عقدہ تو بس ابھی ابھی اس پر کھلا تھا کہ وہ خود بخود ہی کہیں غائب نہیں ہوا تھا بلکہ۔۔۔۔۔

”آپ سے کچھ پوچھ رہا ہے یہ۔“ انسپکٹر نے اسے گم سم دیکھ کر قدرے رعب دار آواز میں متوجہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

”کیا پوچھ رہا ہے؟“ لکھنے والے نے انسپکٹر کا اشارہ پا کر سوال دہرایا تھا۔

عیسیٰ بھڑک کر بولا۔

”کیا کرنا ہے جان کر؟“

”اوئے۔۔۔۔۔ سیدھی طرح بتاتا ہے یا۔“ انسپکٹر نے اس بار دھمکی آمیز لہجہ اختیار کیا تھا۔ عیسیٰ بے وقوفانہ بے فونی سے بولا۔

”نہیں بتا رہا؟ نکلو ادھر سے۔“

”ایسے بات کرتے ہیں پولیس سے۔“ عامر انسپکٹر کا طرف دار سا بن کر بولا۔ ”یہ ہماری مدد کرنے کے لیے یہاں کھڑے ہیں۔“

”ہماری نہیں۔۔۔۔۔ عیسیٰ بھڑکا۔“ آپ کی۔

”دیکھیے دیکھیے اس کے طور۔“ عامر افسوس سے سر ہلاتا ہوا انسپکٹر کی جانب دیکھ کر شکایتا بولا۔

”بچپن سے پریشان کر رکھا ہے۔۔۔۔۔ ابو یہاں تھے نہیں بری محبت میں پڑ گیا۔ سب چھوڑ چکے ہیں اسے۔ بس میں نے بھی ترس کھا کر رکھا ہوا ہے۔“

”آپ بتا دیں کہ کہاں تھے؟“ اس نے پھر پوچھا۔ پر اسی وقت نکلا عامر کی باتیں اسے جنونی کر چکی تھیں کہ یہ موضوع نکالنے کا نشانہ ہی تھا سو اس بار وہ باقاعدہ بھڑک کر انسپکٹر کو دھکا دیتا ہوا بولا۔ ”دیکھا۔۔۔۔۔“ ریٹائرڈ خوف زدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

”آپ سے بھی نہیں ڈر رہا۔۔۔۔۔ لالہ۔۔۔۔۔ یہ بہت خطرناک ہے۔“ ریٹائرڈ کی یہ بات چکی تھی کہ انسپکٹر اس کا زبان آتش ہے سو اس بار وہ اپنی مادری زبان ہی میں اس سے مخاطب ہوئی ہوئی بولی تھی۔

”آپ ہمارا مسرودہ مال نکلا دیں۔۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔۔ جی میرے بہنوئی کے دوست ہیں۔ میں ان سے کہہ کر آپ کو خصوصی انعام دلاؤں گی۔ خاندانی سکن تھے۔ میرے جذبات جڑے ہیں ان سے۔۔۔۔۔“

وہ انسپکٹر کی ٹھوڑی لچاوت سے چھو چھو کر خٹکیں کر رہی تھی۔ بالآخر اس کی ”محنت“ رنگ لائی۔۔۔۔۔ اور انسپکٹر اپنے ماتحت سے بولا تھا۔

”چل بھئی۔۔۔۔۔ پکڑ کر ڈال اسے ڈالے میں۔ یہ ایسے نہیں بتائے گا۔“

☆☆☆

”مفتاح۔۔۔۔۔ یہ تمہاری چائے۔“

بہت غور و خوض کے بعد رجاستیہ پر پہنچی تھی کہ وہ عرمم اور وائلڈ کے لیے تن تنہا چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کسی کی مدد بہر صورت درکار تھی۔ اور یہ ”کسی“ مفتاح کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟ سو اس نے اس سلسلے میں مفتاح سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔ اس وقت تو رات زیادہ ہو گئی تھی سو اس نے مفتاح سے گفتگو کا ارادہ اگلے دن پر ٹھاکر رکھا۔ یہ اور بات کہ مفتاح سے ہم کلام ہونے کی نوبت اگلی رات ہی یوں آ سکی تھی کہ وہ علی الاعمال کہیں چلا گیا تھا۔۔۔۔۔ لوٹنے لوٹے شام ہو گئی۔ بہر کیف۔۔۔۔۔

وہ اب رات کے تمام تر کاموں سے فارغ ہو کر اس کے لیے چائے بنا لائی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ سو وہ امکان کے سہارے ٹیبل پر چلی آئی۔۔۔۔۔ اور وہ مایوس نہیں ہوئی تھی کہ سر کی چیک دار سونی ٹراڈ ز راور آدھی آستین کی آسمانی ٹی شرٹ میں ملبوس، دیوار سے ٹیک لگائے، سینے پر ہاتھ باندھے، اقب پر چھائے اندھیرے پر نظر پڑا۔ جہاں وہ سامنے ہی کھڑا دکھائی دے گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نظر انداز چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔۔۔۔۔ اور چونکہ یہ تھا کہ ایسی مسلسل گھمبیر تا اس شوخ و شنگ چہرے پر ذرا نہ چھٹی تھی بلکہ کچھ ایسا تاثر دیتی تھی کہ مقابل کا دل اسے دیکھ کر بے ارادہ ہی مکدر ہو جاتا تھا جیسا کہ اس وقت اسے پکار کر چائے کی سمت توجہ کرتے ہوئے رجا کا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔

”آہ..... ہاں.....“ وہ رجا کی آواز پر چونکا، نہ ہی انداز میں کوئی فرق آیا بلکہ منڈیر کی سمت خفیف سا اشارہ کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ ”یہاں رکھ دو۔“

”آج صبح ہی صبح کہاں چلے گئے تھے۔“ اس نے پالی منڈیر پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”ایک جگہ جاب انٹرویو دینے گیا تھا۔“ اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر بتایا۔ ”دعا کرنا کہ بات بن جائے..... اب گھر میں رہ کر گھنٹن ہوتی ہے۔“

”یعنی تم تو خود راہ فرار ڈھونڈ رہے ہو۔“ وہ بے ساختہ بولی۔ ”اور میں سوچ رہی تھی کہ تم سے مدد مانگوں گی۔“

”کیسی مدد؟“ وہ چونکا۔ فرار والی بات اس نے نظر انداز کر دی تھی۔ اس سوال پر رجا چند ثانیے اس کی جانب سنجیدگی سے یوں دیکھتی رہی گویا کہ بات کا سراغ تلاش کر رہی ہو..... پھر اچانک بولی۔

”واٹلہ، سہراب سے شادی نہیں کرنا چاہتی مفتاح۔“

”میں اس کی لڑائی لڑ رہا تھا۔“ ظاہر ہے کہ یہ انکشاف نہیں تھا، سو وہ ساٹ لہجے میں بولا۔ ”پراس نے بے وفائی کی طرح امی کے آگے خود ہی ہتھیار ڈالے ہیں۔“

”ہتھیار اس نے تائی بیگم کے سامنے نہیں۔“ رجا افسردگی سے صبح کرتی ہوئی بولی۔ ”اپنی بزدلی اور کم ہمتی کے آگے ڈالے ہیں۔ نہ تو۔ وہ تائی بیگم کو انکار کر سکتی ہے نہ ہی سہراب کے لیے اقرار..... سو اس نے اپنے لیے ایک تیسری راہ چنی ہے۔“

”کون سی تیسری راہ؟“ مفتاح چوکس ہوا..... ظاہر ہے کہ قدیم رتی طور پر اس وقت اس کے ذہن میں ”وہی تیسری راہ“ آئی تھی کہ جس پر چل کر ”وہ بے عقل“ خود اپنا پتا کھو بیٹھی تھی.....

”کل رات وہ خود کشی کرنے جا رہی تھی مفتاح؟“ رجا نے صمیرتا سے بتایا تھا..... وہ ایک جھٹکے سے بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات کر رہی ہو؟“ ہاں..... اس کے نزدیک ”تیسرا راستہ“ ورنہ سے مختلف ہی تو ہو سکتا تھا..... مختلف..... مگر انجام..... لگ بھگ وہی..... ”ہاں مفتاح.....“ رجا وہ دہانے سے لہجے میں بولی۔ ”وہ تو میں وقت پہنچ گئی وہ تو آج پھر ایک بار گوشہ عافیت میں..... ہم ورنہ کو کھو چکے ہیں مفتاح..... پر ہمیں واٹلہ کو بچانا ہوگا..... عباد بھائی کا دل تو اچڑ گیا..... پر ہم..... عرصہ کا دل تو یاد کر سکتے ہیں نا؟“

”کیا مطلب؟“ وہ جو واٹلہ کے لیے بہت جذباتی سا ہو کر رجا کی بات سن رہا تھا..... اس نام کے دفعتاً درمیان میں آ جانے پر چونکا..... کب وہ ایک لمحہ توقف کے بعد دوبارہ بہت دیر سے لہجے میں گویا ہوئی۔

”ہاں مفتاح..... عرصہ بچپن سے واٹلہ کو چاہتا ہے۔ اور بہت چاہتا ہے ایسی ہی اس راز میں شریک نہیں۔ پر مجھے یہ بات اتفاقاً کل ہی پتا چلی..... میرا نیک سیرت..... سادہ دل بھائی بہت اچھا ہے مفتاح..... وہ کسی علت کا شکار نہیں..... پھر اب تو اس کی جاب بھی لگ گئی ہے۔“

”تم بات تو ایسے کر رہی ہو جیسے کہ میں اسے چاہتا ہی نہیں۔“ وہ ذرا چڑ کر بولا تھا۔

”جانتے ہو تو کچھ کرو تا مفتاح.....“ وہ اصرار کرتے ہوئے بولی۔ ”اگر یہ دل نہ جڑ سکا تو شاید..... اگلی باری تمہارے دل کی ہو۔“

☆☆☆

”اب کیا محسوس کر رہی ہو؟“

اسے انتہائی نگہداشت سے کرے میں منتظر کیا جا چکا تھا۔ پراہی بھی ڈریں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ ہاں مگر یہ تھا کہ بار بار جو بے ہوشی طاری ہو رہی تھی، بخار سے بھل جانے کی وجہ سے اب وہ کیفیت نہیں تھی کچھ دیر قبل اسٹاف

بی بی وغیرہ کی جانچ معمول کے مطابق کر کے جا چکی تھی۔

اور وہ اس وقت بستر پر بے حس و حرکت دراز..... ایک ٹک کرے کی چھت کو دیکھے چلی جاتی تھی کہ تب ہی اس سے قدرے فاصلے پر موجود بی بی نے اپنی سرخ، تھکن زدہ آنکھوں سے اسے تشویش زدہ انداز سے دیکھتے ہوئے ایک دم ہی پوچھا تھا۔

”بالکل ویسا ہی.....“ وہ بے تاثر لہجے میں ہنوز چھت ہی کو دیکھتی ہوئی بولی۔

”جیسا کہ مجھے سے قل دینے کی ٹشمنی لو محسوس کیا کرتی ہوگی۔“

”ورنہ..... حالات خواہ کیسے بھی کیوں نہ ہوں، مایوس نہیں ہوتے۔“

اسے اپنے منہ سے یہ الفاظ یاد آ رہے تھے کہ خود اپنے آپ پر حیرت ہوئی کہ ”ایسی باتیں“ تو وہ پہلے والا عیسیٰ کیا کرتا تھا۔ تو کیا یہ ”اس کے“ دل جانے کا اعجاز تھا؟

”میں مایوس نہیں.....“ وہ نقابست زدہ ہی آواز میں بولی۔ ”بلکہ بہت بہت خوشی ہوئی۔ اپنی نجات قریب دیکھ کر۔“

”کچھ کھاؤ گی؟“ وہ گھبراہٹ سے پوچھا۔ ”پراس سے ناجانے کیوں اسے بہت گھبراہٹ سی ہوئی۔“

تب ہی وہ موضوع بدلنے کی غرض سے بولا۔ ”کچھ چاہیے؟“

”ہاں سر.....! مجھے معافی چاہیے۔“

”ورنہ.....“ وہ یاسیت سے بولا۔ ”یہ بات ہم بعد میں کریں گے۔“

”نہیں سر یہ بات میں ابھی اور اسی وقت کرنا چاہتی ہوں۔“

”تم کل بھی ضدی تھیں۔“ وہ ادا سی سے مسکرایا۔ ”تم آج بھی ویسی ہی ہو۔“

”نہیں سر میں ویسی بالکل نہیں.....“ وہ پھڑکی زدہ لہجوں پر زبان پھیر کر بولی۔

”رینہ رینہ ہو چکی ہوں۔“

”ورنہ..... خاموش ہو جاؤ۔“ اسے لگا جو غبار وہ اتنے برس سے دل میں دبائے بیٹھا ہے، وہ طوفان کی صورت پاہر آ جائے گا تب ہی بہت وحشت سے بولا تھا۔

”ہو جاؤ گی۔“ وہ کرب سے تھی۔ ”ہمیشہ کے لیے ہو جاؤ گی۔ بس ایک آخری بار مجھے جی بھر کر بولنے دیں۔“

”کیا بولو گی؟“ بالا خروہ ارد گرد سے بے پرواہ ہو کر کھینچ اٹھا۔

”کیا..... بے ہی کیا تمہارے پاس بولنے کے لیے؟“

”کیا آپ شیش گے؟“ اس سوال پر وہ کچھ نہیں بولا۔ بس شگستگی سے چلتا سامنے صوفے پر جا بیٹھا تھا۔ یہ

ایک طرح سے عندیہ تھا سو وہ ایک بار پھر مستحضر ہوئی۔

”کہاں سے شروع کروں؟“

”جہاں سے ضروری سمجھتی ہو۔“

”سہراب خان زادہ۔“

ظاہر ہے کہ اس نام سے قبل تو وہ سترہ برس کی الہیز، نوخیز تھوڑی معصوم اور زیادہ بے عقل لڑکی اسے سب بتا

ہی چکی تھی۔ سو اب اس چھپیں سالہ زندہ لاشے نے اس کے بعد کا قصہ شروع کیا تھا۔

”میں ہمیشہ ہی سے کسی ایسی محبت کی متلاشی تھی کہ جس پر بلا شرکت غیرے صرف اور صرف میرا حق ہو

..... اور سہراب وہی محبت بن کر میری زندگی میں آیا.....!!“

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز رہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM